اشارات

کچھ مدت ہوئی اخبار "ٹائمز آف انڈیا" نے اپنی ناظرات سے سوال کیا تھا کہ "کیا تم کو مردوں پر رشک آتا ہے؟" اس کے جواب میں جتنی فرنگی، اور نئی تعلیم یافتہ ہندوستانی خواتین کے خطوط اس کو وصول ہوئے ان سب میں بالاتفاق اس سوال کا جواب اثبات میں دیا گیا تھا۔ کوئی ایک عورت بھی ایسی نہ نکلی جو مردوں پر رشک کرنے سے انکار کرتی۔ ہندوستانی عورتوں کا اقرار تو خیر متوقع تھا۔ مگر مغربی عورتوں کی آزادی اور ان کے اوعلے مساوات کو دیکھتے ہوئے، خود ٹائمز کے ایڈیٹر کو بھی امید نہ تھی کہ وہ اس طرح بالاتفاق اپنے رشک کا اقرار کریں گی۔

بعض مغربی خواتین نے اپنے رشک کے وجوہ بھی دل کھول کر بیان کئے ہیں جو ظاہر میں محض دلچسپ مگر حقیقت میں بہت معنی خیز ہیں۔ مثال کے طور پر ایک خاتون لکھتی ہیں:۔

ہر عورت کی زندگی میں کبھی نہ کبھی ایسے مواقع ضرور پیش آتے ہیں جن میں اس کا دل چاہتا ہے کہ کاش وہ بھی مرد کو ایک پھوٹی ہوئی آنکھ، ایک دانت ٹوٹا منہ، یا چند ٹوٹی ہوئی پسلیاں دینے کے قابل ہوتی، مگر خواہ وہ کتنی ہی طاقت ور ہو غریب اپنے دل کی بھڑاس نہیں نکال سکتی۔ جب مرد سے لڑنے کا اتفاق ہوتا ہے، تو صنف ضعیف، بہر حال صنف ضعیف ہی ثابت ہوتی ہے۔

پھر معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ابتدائے آفرینش ہی سے مرد کو بالادستی حاصل رہی ہے، اور ہماری

تمام فتوحات، کے باوجود مرد آج بھی اپنی قوت کی بنا پر ایک برتر ہستی ہے۔ مختصر یہ کہ وہ مرد ہی ہے جو دنیا پر حکومت کر رہا ہے، اور عورت مجبور ہے کہ دوسرے درجہ پر قناعت کرے"

ایک اور خاتون لکھتی ہیں :-

میں مرد پر رشک کرتی ہوں اس لئے کہ وہ جسمانی قوت رکھتا ہے وہ آزادی کے ساتھ اپنی فکر آپ کرتا ہے۔ اور سب سے زیادہ یہ کہ وہ زمانہ کی تاریخ میں اپنے لئے جگہ پیدا کرنے اپنے واسطے حوصلہ نکالنے، اور شہرت حاصل کرنے کے زیادہ مواقع رکھتا ہے وہ اپنے لئے جو میدان بھی انتخاب کرتا ہے، اس میں اپنی برتری کا سکہ جما کر چھوڑتا ہے خواہ وہ کھیل کا میدان ہو یا علم و فن کا، ادب و نشاط کا ہو، یا ملک داری کا، سیر و سیاحت کا ہو، یا کسی اور ایسی چیز کا جو روئے زمین پر بزرگی رکھتی ہے۔ یہ خیال کہ لوگ کیا کہیں گے" اس کی راہ میں اگر کچھ مزاحم ہوتا بھی ہے تو بہت کم۔ آخر میں مجھے اس بات پر بھی رشک آتا ہے کہ مرد تو اپنی پسند کی لڑکی کو شادی کا پیغام دینے کا حق رکھتا ہے، مگر یہ حق بیچاری حوا کو کیوں نہیں ہے۔؟

حقیقت یہ ہے کہ زندگی میں عورت کے لئے جو حصہ مقرر کیا گیا ہے وہ اس حصہ سے کوئی نسبت نہیں رکھتا جسے اختیار کرنے کی آزادی مرد کو حاصل ہے۔

یہ اُن عورتوں کے خیالات ہیں جن کو نہایت درجہ آزادی کی ہوا میں سانس لینے کا موقع ملا ہے۔ باوجودیکہ انہوں نے ایک ایسے اجتماعی ماحول میں آنکھیں کھولی ہیں۔ جہاں عورت اور مرد کے درمیان کامل مساوات کا ادعا کیا جاتا ہے، اور بالفعل مساوات قائم کرنے کی کوشش بھی بڑے پیمانہ پر کی گئی ہے، مگر پھر بھی مرد کی

برتری اسی طرح ایک امر واقعہ ہے جس طرح ہبوط آدم سے لیکر ابتک رہا ہے۔ اور اس کا احساس نہ صرف مرد میں موجود ہے، بلکہ عورت بھی اس کی معترف ہے۔

یورپ اور امریکہ کی عورتوں نے زندگی کا کونسا میدان ایسا چھوڑ دیا ہے جس میں مردوں کا مقابلہ نہیں کیا ؟ وہ کھیل کود اور ورزش جسمانی کے میدان میں اتریں، کارخانوں اور دفتروں میں دریا، دماغی اور جسمانی محنت کے تمام پیشیوں میں مردوں سے حصہ بٹایا، فوج اور پولیس تک کے خالص مردانہ شعبوں میں جگہ حاصل کی، عدالت کی کرسی سے لیکر وزارت اور سفارت کی اہم خدمات تک میں اپنی قابلیت کا سکہ جمانے کی کوشش کی، اور معاشی استقلال حاصل کر کے اس پرانے نظریہ کی دھجیاں بکھیر دیں جو بدو آفرینش سے مسلم چلا آ رہا ہے، یعنی مرد کا کام روزی کمانا اور عورت کا کام گھر سنبھالنا ہے"! لیکن ان تمام باتوں کے بعد بھی مرد بدستور حکمران اور بالادست ہے اور عورت اسی طرح محکوم اور زیردست۔

آپ کسی آزاد سے آزاد سوسائٹی میں چلے جائیے اول نظر میں آپ محسوس کریں گے عورت اور مرد کے درمیان امتیازی برتاؤ ہو رہا ہے۔ کسی کارخانے یا کسی دفتر میں جائیے آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ عورت کو کمتر ذمہ داری اور کمتر مہارت و ذہانت کے کام دئیے جاتے ہیں۔ اور ادنیٰ درجہ کی خدمتوں میں بھی عورت کا معاوضہ مرد کی نسبت کم رکھا گیا ہے۔ کسی سرکاری یا غیر سرکاری ادارے پر نظر ڈالئے۔ آپ دیکھ لیں گے کہ اس کو چلانے والا ہاتھ مرد کا ہاتھ ہے۔ اس میں حکمران قوت مرد کی قوت ہے عورت اگر اس میں شریک ہے بھی تو مامور و محکوم کی حیثیت سے ہے نہ آمر و حاکم کی حیثیت سے۔ بغرض آپ کو مغربی زندگی کا کوئی شعبہ بھی ایسا نظر نہ آئے گا جس میں ادعائے مساوات کے علی الرغم، اصلی اور حقیقی نامساوات قائم نہ ہو۔ اور مجموعی طور پر آپ یہی دیکھیں گے ہر جگہ حکومت مرد کی ہے اور عورت کا درجہ ہر جگہ مرد سے فروتر ہے۔

سب سے زیادہ جس ملک میں مساوات قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے وہ سوویٹ روس ہے۔ وہاں حکومت نے اپنی پوری قوت ان امتیازی نشانات کو محو کرنے میں صرف کر دی ہے جو زندگی کے معاملات میں مرد و زن کے درمیان فرق کرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود آج بھی روس کی سیاسی پالیسی حکومت کے معاملات صلح و جنگ کے امور، صنعت و تجارت کے کاروبار، علوم و فنون کے ادارے، اسی طرح مرد کے زیر علم ہیں جس طرح انقلاب سے پہلے تھے۔ حتیٰ کہ معاشرت اور خانگی زندگی تک میں بھی عورت کو مرد کی برابری کا درجہ حاصل نہیں ہو سکا ہے۔ روس کا ایک مشہور مصنف جو مساوات کا پرجوش حامی ہے، بڑے افسوس کے ساتھ لکھتا ہے:۔

اب تک مرد و زن کی نامساوات کے متعلق متعصبانہ خیالات نہ صرف ان طبقوں میں جو ذہنی اعتبار سے ادنیٰ درجہ کے ہیں، بلکہ اعلیٰ درجہ کے سوویٹ تعلیم یافتہ طبقوں میں بھی نہایت گہرے جمے ہوئے ہیں۔ خود عورتیں بھی ان خیالات سے اس قدر متاثر اور خود گرفتہ ہو چکی ہیں کہ اگر مردان سے مردوں کا سا برتاؤ کریں تو وہ اس کو ان کے مرتبہ سے گری ہوئی بات سمجھیں گی۔ بلکہ اسے مردوں کی کمزوری اور نامردی پر محمول کریں گی۔ ہم اس مسئلہ پر خواہ کسی حکیم سے گفتگو کریں، یا مصنف سے، یا کسی مزدور کالج کے طالب علم سے، یا کسی تاجر سے، یا کسی سوتی صدی حامی اشتراکیت سے بہت جلدی ہم پر منکشف ہو جائے گا کہ وہ عورت کو اپنے برابر کا نہیں سمجھتا دور حاضر کے کسی جدید ترین ناول پر نظر ڈالو۔ خواہ وہ کیسے ہی ترقی یافتہ خیالات رکھنے والے مصنف کا لکھا ہوا کیوں نہ ہو، تم کو جگہ جگہ ایسی عبارتیں یقیناً ملیں گی جن سے معلوم ہو جائے گا کہ وہ عورت کو مرد کے مقابلے میں ضعیف و لطیف سمجھتا ہے"

ایک دوسری جگہ اس مصنف کو مجبوراً اقرار کرنا پڑا۔

دنیا میں کسی جگہ مردوں اور عورتوں کے درمیان مساوات قائم کرنے کی اتنی کوشش نہیں کی گئی اور نہ اس باب میں اتنی فراخ حوصلگی کے ساتھ قوانین بنانے کی طرف توجہ

کی گئی، جتنی سوویٹ جمہوریت میں کی گئی ہے تاہم یہ واقعہ ہے کہ خاندان میں عورتوں کی واقعی حیثیت اکتوبر کے انقلاب سے اب تک (یعنی سنہ ۱۹۳ء تک) بہت کم بدلی ہے، کیونکہ اس معاملہ میں انقلابی اصول ایک نہایت اہم حقیقت سے ٹکرا گئے ہیں۔ یعنی یہ کہ حیاتیات کے اعتبار سے دونوں صنفوں کے درمیان مساوات نہیں ہے، اور فطرت نے دونوں پر جو بار ڈالا ہے وہ یکساں نہیں ہے۔

حیاتیات اور عضویات کے ماہرین مثلاً اشٹائناخ (Steinach) ایٹیاس (Atias) گوڈل (Goodell) لپ شوٹس (Lipshutz) سانڈ (Sand) زاوادوفسکی (Zavadovsky) وغیرہ نے تجربات سے ثابت کیا ہے کہ عورت اور مرد اپنی جسمانی استعداد کے مساوی (Equipotential) ہیں۔ مگر یہ کسی تجربہ سے ثابت نہیں ہوا کہ فطرت کی طرف سے دونوں کے نظام جسمانی پر بار بھی یکساں ڈالا گیا ہے اس کو آپ خواہ ظلم کہہ لیجئے، یا حکیمانہ تقسیم کار سے تعبیر کیجئے لیکن اس حقیقت سے آپ انکار نہیں کر سکتے کہ فطرت نے عورت اور مرد کی تخلیق دو بالکل مختلف بنیادوں پر کی ہے اور اس لئے بنیادی طور پر دونوں کے مقاصد حیات اور دائرہ عمل بھی الگ الگ ہو گئے ہیں۔ عورت کے نظام جسمانی کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اسے کلیتاً بقائے نوع کی خدمت کے لئے بنایا گیا ہے، اور اس کے برعکس مرد کو بقائے نوع کی خدمت میں سے ایک تھوڑا سا حصہ دے کر، ان دوسرے آلات و قویٰ کی تکمیل میں زیادہ توجہ صرف کی گئی ہے جو انسانی زندگی کے دوسرے معاملات میں کام آتے ہیں۔ یہ بنیادی فرق اسی وقت سے نمایاں ہو جاتا ہے۔ جب رحم مادر میں جنین کے اندر صنفی تشکیل واقع ہوتی ہے۔ اسی لمحہ سے عورت کی تخلیق مرد سے بالکل مختلف اصول پر ہونے لگتی ہے۔ عورت کا سارا جسمانی نظام اس طرح بنایا جاتا ہے کہ وہ بچہ پیدا کرنے اور بچہ کو پرورش کرنے کے لئے مستعد ہو، اور اس کے لحاظ سے اس کے اندر وہ نفسانی خصائص اور رجحانات پیدا

کئے جاتے ہیں جو اس وظیفہ سے مناسبت رکھتے ہیں بخلاف اس کے مرد کے نظام جسمانی میں بہت تھوڑا حصہ بقائے نوع کی خدمت کے لئے رکھ کر، اس کے دوسرے جسمانی آلات اور ذہنی قوی کی پرورش زیادہ فیاضی کے ساتھ کی جاتی ہے اور اس کی مناسبت سے اس میں مختلف قسم کے نفسانی خصائص اور رجحانات پیدا کئے جاتے ہیں۔

حیاتی، عضوی اور نفسی اعتبار سے عورت اور مرد کا باہمی فرق ایک فطری فرق ہے فطرت ہی نے عورت کو وہ خدمت سپرد کی ہے جو اندرون خانہ سے زیادہ تعلق رکھتی ہے، اور مرد کو وہ کام دیا ہے جو بیرون خانہ سے زیادہ تعلق رکھتا ہے، فطرت ہی نے عورت پر بقائے نوع کے وظیفہ کا بار ڈال کر اسے دوسرے وظائف حیات کے لئے کمزور کر دیا ہے، اور وہ فطرت ہی ہے جس نے مرد کو خدمت بقائے نوع کے بار سے ایک حد تک سبکدوش کر کے دوسری خدمات کے لئے زیادہ قوت عطا کی ہے۔ پھر یہ فطرت نہیں تو اور کون ہے جس نے اپنے کارخانے کو چلانے کے لئے مرد میں فعلیت اور عورت میں انفعالیت رکھی ہے جس نے مرد کو صلابت اور عورت کو نزاکت عطا کی ہے، جس نے مرد میں اقدام اور اس کے لئے جسارت کا مادہ رکھا ہے اور عورت کو جبت اور اس کے لئے جھجک بخش دی ہے، جس نے مرد کو اس کے طبعی وظائف کا لحاظ کرتے ہوئے تند خو قاہر، حکومت پسند، مستقل مزاج، قوی العزم اور بطی الحس بنایا، اور عورت کو اس کی مخصوص حیثیت کے اعتبار سے نرم دل، متحمل، منقاد، ذکی الحس، متلون، اور عافیت پسند پیدا کیا؟ مرد و زن کے متضاد خصائص ہی در اصل تمدن و عمران کی اس ساری چہل پہل کے ذمہ دار ہیں جو ہم کو دنیا میں نظر آ رہی ہے۔ اسی تضاد و اختلاف کی بدولت عورت اور مرد کے درمیان وہ تعامل ممکن ہوا جو اجتماعی زندگی کی جان ہے، اور جس نے آدم و حوا کی اولاد کے لئے زمین کی سکونت کو خوشگوار بنا دیا ہے۔ اگر یہ تضاد نہ ہوتا، اگر مرد و زن کے جذبات، رجحانات نفسی کیفیات، اور طبعی خصائص ایک ہی جیسے ہوتے تو تہذیب و تمدن کی پیدائش تو درکنار، شاید نسل آدم کی

افزائش بھی ممکن نہ ہوتی۔ پھر آخر یہ عقل و حکمت، تجربہ و مشاہدہ، اور احساس و وجدان سب کے خلاف مساوات مرد و زن کا ادعا کس بنا پر ہے؟

انسان کے لئے صحیح اجتماعی نظام وہی ہو سکتا ہے جو فطرت کے منشا اور مقصد کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر اختیار کیا جائے۔ اس کو سمجھے بغیر، یا سمجھنے کے باوجود عمداً اس کے خلاف جو طریقے بھی زندگی بسر کرنے کے لئے اختیار کئے جائیں گے ان کا نتیجہ بجز آلام و مصائب اور بالآخر کامل تباہی کے اور کچھ نہیں نکل سکتا۔ فطرت کا قانون ایک اٹل اور ناقابل تغیر قانون ہے۔ زندگی کے چھوٹے چھوٹے معاملات تک میں اس کی رعایت ملحوظ رکھنی ضروری ہے، کجا کہ اس بڑے اور اہم مسئلہ میں، جو انسانی جماعت کے دو مساوی حصوں کے درمیان حدود عمل، فرائض اور ذمہ داریوں کی تقسیم، اور حیات اجتماعی میں ان کے درجات و حیثیات کی تعیین سے تعلق رکھتا ہے۔

اس معاملہ میں مختلف تمدنی نظاموں نے فطرت کے خط استوا سے ہٹ کر افراط اور تفریط کی مختلف راہیں اختیار کی ہیں۔ ایک جانب وہ نظامات ہیں جن میں عورت کو اس کے فطری مرتبے سے محروم کر دیا گیا ہے، اسے ذلیل بے روح نجس قرار دیا گیا ہے، معیشت و معاشرت کے دائرے میں اس کے تمام حقوق چھین لئے گئے ہیں، اس کی طبیعت و فطرت کے مقتضیات سے بالکل صرف نظر کر لیا گیا ہے، اور اسے منجملہ ان املاک کے شمار کیا گیا ہے جو مرد کو حاصل ہوتی ہیں۔ دوسری جانب وہ نظامات ہیں جن میں فطرت کی قائم کی ہوئی امتیازی حدود کو نظر انداز کر کے عورت اور مرد کے درمیان ایک غلط اور خالص غیر فطری مساوات قائم کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور عورت کو اس دائرے سے نکال کر جس میں رہنے کے لئے فطرت الٰہی نے اس کو بنایا تھا اس دائرے میں کھینچ لایا گیا ہے جو دراصل مرد کا دائرہ ہے۔

یہ افراط و تفریط دونوں اپنے نتائج ظاہر کر چکی ہیں۔ اور کر رہی ہیں۔ جن قوموں نے تفریط کا پہلو اختیار

کیا ہے وہ عورت کو ذلیل کرنے کے ساتھ خود بھی ذلیل ہوگئیں، کیونکہ جس جماعت کا نصف حصہ ذلیل ہو وہ بحیثیت مجموعی ذلت کے گڑھے میں گرنے سے کیونکر بچ سکتی ہے؟ پھر یہ نصف حصہ بھی کونسا نصف حصہ؟ وہ جو پوری قوم کی نسلوں کا مصدر و منبع، اور تربیت گاہ ہے جس کی درستی پر نسلوں کی درستی، اور جس کی خرابی پر نسلوں کی خرابی مترتب ہوتی ہے پس جو قوم اپنے ایسے نصف حصہ کو پستی کی حالت میں رکھے جس کے بچے ذلیل و خوار ماؤں کے پیٹ سے نکلیں، اور ذلت و خواری کی آغوش میں پلیں بڑھیں۔ اس کا احساس عزت سے محروم ہوجانا، اور روحانی ذہنی، اور اخلاقی بلندیوں سے گرجانا یقینی ہے۔

اسی طرح جن قوموں نے افراط کا پہلو اختیار کیا ہے وہ عورت کو مردوں کے دائرے میں لاکر اپنے پورے نظام تمدن کو درہم برہم کرچکی ہیں، اور کئے جارہی ہیں۔ وہ اس پر قادر نہیں ہیں کہ حمل و ولادت، رضاعت تربیت اور تدبیر منزل کی ذمہ داریوں میں عورت کے ساتھ مرد کو بھی برابر کا شریک بنادیں۔ وہ اس پر بھی قادر نہیں ہیں، کہ عورت کی جبلت کو بدل دیں۔ ان کو اس پر بھی قدرت حاصل نہیں ہے کہ فطرت نے عورت میں جو قابلیتیں اور صلاحیتیں ودیعت نہیں کی ہیں وہ اس میں پیدا کردیں۔ مگر اس کے باوجود وہ کوشش کررہی ہیں کہ اس بارگراں کے علاوہ، جو فطرت نے عورت پر ڈال دیا ہے، اور جس میں حصہ لینا مرد کے لئے کسی طرح ممکن نہیں ہے، عورت پر وہ بار بھی ڈالدیں جو فطری تقسیم کے اعتبار سے صرف مرد کے حصہ میں آیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ عورت کے لئے بیک وقت دو مختلف قسم کے بار برداشت کرنا مشکل ہوگیا ہے۔ ایک طرف وہ ان فرائض اور ذمہ داریوں کے سنبھالنے میں کوتاہی کررہی ہے۔ جو فطرت نے اس پر عائد کئے تھے، اور اس کی وجہ سے نئی نسلوں کی پیدائش کم ہورہی ہے۔ تربیت اطفال کا معیار گرتا جارہا ہے، تدبیر منزل میں خرابیاں واقع ہورہی ہیں، خاندان اور گھر کا کوئی مفہوم باقی نہیں رہا، زندگی سے وہ سکون، وہ اطمینان، وہ لطف رخصت ہوگیا ہے اور ہوتا جارہا ہے جو عورت اور محض گھر والی عورت کے وجود سے حاصل ہوسکتا ہے۔ دوسری طرف عورت اپنی نسویت کو ساتھ لئے ہوئے سیاست، صنعت و حرفت، اور تجارتی کاروبار کے ہنگامہ زار میں

اترآئی ہے جس کے لئے وہ دراصل پیدا ہی نہیں کی گئی تھی، اور اس کی بدولت نظام معیشت میں ایک زبردست اختلال برپا ہوگیا ہے، جس نے تمام مغربی ممالک کو پریشان کر رکھا ہے۔ نیز سیاست میں ایک ایسے عنصر کا اضافہ ہوگیا ہے جو سراسر غیر مطبوع ہے، یعنی استقلال کے بجائے تلون، استحکام کے بجائے سیمابیت اور عقل رزین کے بجائے جذبات مہین۔

افراط اور تفریط کے ان دونوں پہلوؤں کے درمیان ایک مقام توسط و اعتدال کا ہے جو منشاء فطرت کے عین مطابق واقع ہوا ہے، اور وہ یہ ہے کہ عورت کو وہ تمام حقوق دیے جائیں جو نوع بشری کا نصف حصہ ہونے کی حیثیت سے اس کو حاصل ہونے چاہئیں، مگر اس امتیاز کو باقی رکھا جائے جو فطرت الٰہی نے عورت اور مرد کے درمیان قائم کیا ہے، عورت کو عزت دی جائے، معیشت و معاشرت میں اس کو حقوق دئے جائیں اس کے جذبات داعیات، اور طبیعی مقتضیات کی پوری پوری رعایت ملحوظ رکھی جائے، مگر سب کچھ اس دائرہ کے اندر ہو جو فطرت نے اس کے لئے مقرر کر دیا ہے، مرد کے دائرے میں قدم رکھنے، اور مرد کے مقام پر اچک آنے کی اس کو اجازت نہ دی جائے اس فرق مراتب کو ہمیشہ باقی رکھا جائے جو نوع بشری کے ان دونوں حصوں میں ان کے خلقی خصائص ان کی طبیعی ذمہ داریوں، اور ان کے فطری حدود عمل کے اعتبار سے رکھا گیا ہے

ٹھیک یہی طریقہ ہے جو اسلام نے اختیار کیا ہے۔ نظام تمدن میں عورت اور مرد کی اضافی حیثیت اور دونوں کے باہمی تعلق کو قرآن مجید نے ایک جامع و مانع فقرے میں بیان کیا ہے، جو اختصار کے باوجود ایک پورے قانون کا اصل الاصول ہے:۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَ الرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (۲: ۲۸)

عورتوں کے لئے معروف طریقہ سے ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان پر مردوں کے حقوق ہیں، البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے۔

اس آیت کریمہ میں ایک طرف تو لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ کہہ کر تفریط کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے اور دوسری طرف لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ کہہ کر افراط کی بھی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ ان دونوں پہلوؤں کے درمیان یہ متوسط قاعدہ مقرر کیا گیا کہ انسان ہونے اور انسانی زندگی کے فرائض و واجبات ادا کرنے، اور نظام تمدن کو چلانے میں عورت اور مرد دونوں کا حصہ ہے، اس لئے عورت کو بھی اسی طرح حقوق ملنے چاہییں جس طرح مرد کو حاصل ہیں۔ لیکن چونکہ زندگی کے تمام معاملات میں مرد کا حصہ فطرۃً عورت سے زیادہ ہے، اور مرد کی حیثیت ایک راعی، ایک صاحب امر ایک مقدم اور پیشوا کی سی ہے اس لئے مرد کو عورت پر فضیلت کا ایک درجہ ضرور حاصل رہنا چاہیے جیسا کہ ایک دوسرے موقع پر فرمایا ہے:۔

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ (۴: ۶)

یعنی مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس لئے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے، اور اس لئے کہ مرد ان پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں پس جو نیک عورتیں ہیں وہ فرمانبرداری کرنے والی اور ان کے غیاب میں اس چیز کی حفاظت کرنے والی ہیں جس کی حفاظت کا اللہ نے حکم دیا ہے۔

پس اگر مرد کی فضیلت اس ایک درجہ سے بڑھا کر اس حد کو پہونچا دی جائے گی کہ وہ عورت کے جائز حقوق بھی سلب کرلے تو یہ "ظلم" اور "حدود الٰہی سے تجاوز" ہوگا۔ اور اگر عورت کو اس کی جائز حدود سے بڑھا کر مرد کے برابر کر دینے کی کوشش کی جائے گی حتیٰ کہ مرد کے درجہ فضیلت اور اس کی قوامیت میں فرق آجائے تو یہ ایک غیر صالح فعل ہوگا اور اس کو بھی حدود الٰہی سے تجاوز قرار دیا جائیگا۔

یہی اصل پردہ تمام اخلاقی ہدایات اور شرعی قوانین مبنی ہیں جو اسلام نے عورتوں اور مردوں

کے باہمی تعلق کے باب میں مقرر کئے ہیں۔

لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ کی تفسیر یہ ہے کہ عورت کو اپنے مال پر ملکیت کا حق ویسا ہی ہے جیسا مرد کو اپنے مال پر ہے، عورت اپنے مال میں تصرف کرنے کا ویسا ہی حق رکھتی ہے جیسا مرد کو اپنے مال میں تصرف کا حق ہے عورت کو اسی طرح وراثت میں حصہ ملتا ہے جس طرح مرد کو ملتا ہے، اولاد پر ماں کی اطاعت اسی طرح فرض ہے جس طرح باپ کی ہے، شوہر کو بیوی کے ساتھ حسن معاشرت کا ویسا ہی حکم ہے جیسا کہ بیوی کو شوہر کے ساتھ برتنے کی تاکید کی گئی ہے، عورت اور مرد کے لئے حفظ فروج کا حکم یکساں ہے، اور شریعت نے میاں اور بیوی دونوں کو ایک دوسرے کے حقوق کی رعایت کرنے کا یکساں حکم دیا ہے۔

اور وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ کی تفسیر یہ ہے کہ مرد پر مہر اور نان نفقہ کا بار ہے، عورت پر کوئی بار نہیں، مرد بیک وقت چار نکاح کر سکتا ہے اور عورت صرف ایک، مرد باختیار خود عورت کو طلاق دے سکتا ہے لیکن عورت اگر فسخ و تفریق چاہے تو اس کے لئے قضائے قاضی شرط ہے، عورت پر شوہر کی فرمانبرداری فرض کیگئی ہے، اگر وہ نافرمانی کرے تو شوہر کو سزا دینے کا حق ہے، میراث میں عورت کا حصہ مرد سے کم ہے، قانون شہادت میں دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کے برابر ہے۔ اور آخر میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ عورت کو پردہ کرنے اور گھر میں بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے، تاکہ وہ مرد کے حدود عمل میں قدم نہ رکھے، اور اپنی تمام توجہ اور کوشش ان فرائض کو ادا کرنے میں صرف کرے جو فطرت نے اس کے سپرد کئے ہیں۔

آج کل مشرقی دماغ، مغرب کے بلند بانگ دعاوی علم و عقل سے اس قدر دہشت زدہ ہوگئے ہیں کہ جس غلط اور سراسر خلاف عقل و حکمت بات کو مغرب نے صحیح سمجھا، اور رواج دے دیا۔ اس کو اہل مشرق نے بھی مسلمات میں داخل کر لیا۔ اور کسی کو اس کے خلاف زبان کھولنے تک کی جرأت نہ ہوی ہرآت

جو آسمان مغرب سے نازل ہوئی، زمین مشرق میں اسے ایمانیات کا درجہ حاصل ہوگیا۔ چنانچہ عورتوں اور مردوں کی مساوات، اور عورتوں کی آزادی، اور ان کے حقوق کے متعلق بھی جو خیالات مغرب سے آئے ہیں، ان کو مشرق والوں، حتی کہ مسلمانوں تک نے اس طرح تسلیم کرلیا ہے، گویا کہ وہ ناقابل تردید مسلمات ہیں۔ اچھے اچھے پڑھے لکھے آدمی قرآن و حدیث کی تعلیمات کو کھینچ تان کر ان کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں اور جو اسلام کے ذرا زیادہ پرجوش وکیل ہیں ان کا تو یہ حال ہے کہ ہر مغربی بدعت کو دیکھ کر بے ساختہ ان کی زبانوں سے نکلتا ہے "یہ تو ہمارے ہاں پہلے سے موجود ہے"! اسی مرعوبیت کا اثر ہے کہ ہمارے وکلائے اسلام "لھن مثل الذی علیھن" تو بڑے زور سے کہتے ہیں مگر وللرجال علیھن درجہ پر پہنچ کر دفعۃً ان کی زبان میں لکنت آجاتی ہے، اور "الرجال قوامون علی النساء" کہنے کے لئے تو آج کل بڑی ہمت درکار ہے۔ ان آیات کو توڑ مروڑ کر معنوی تحریفات کرنے کی جو کوششیں کی جاتی ہیں انھیں دیکھ کر عبرت آتی ہے کہ جس قوم کے پاس تمام دنیا کے قوانین سے بہتر اور سب سے زیادہ مطابق فطرت قانون موجود ہے اس کی عقل کو ذہنی غلامی نے کس قدر مخبوط کردیا ہے۔